فکر و نظر ---- اسلام آباد   جلد : ۳۶   شمارہ : ۲

مالاکنڈ ڈویژن اور ضلع کوہستان میں قاضی عدالتوں کا قیام (ایک جائزہ)

ابو سراج محمد مطیع الرحمٰن ☆

پاکستان میں نفاذ شریعت کا تاریخی پس منظر :

مسلمانان بر صغیر کی بے مثال جدوجہد اور دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ایک اسلامی فلاحی مملکت پاکستان کے نام سے ۱۹۴۷ء میں معرض وجود میں آئی - پاکستان کے مسلمانوں کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ یہاں اسلامی نظام رائج ہو لیکن بد قسمتی سے ابھی تک یہ آرزو پوری نہیں ہو سکی - قانون آزادی ہند ۱۹۴۷ء کی دفعہ نمبر۶ کے تحت قانون سازی کے اختیارات ہر دو آزاد مملکت (پاکستان و بھارت) کو حاصل ہوگئے ، جبکہ دفعہ نمبر ۸ کے تحت یہ طے کیا گیا تھا کہ نئی قانون سازی تک ۱۹۳۵ء کا ایکٹ نافذ رہے گا- اس قانون کی دفعہ نمبر۹ کے مطابق گورنر جنرل کو ایکٹ ۱۹۳۵ء میں ترمیم کرنے کا عام اختیار دیا گیا تھا- جبکہ دفعہ نمبر ۱۸ کی ذیلی دفعہ نمبر ۳ کے تحت یہ طے پایا تھا کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہندوستان میں نافذ قوانین نئے آئین بننے تک نافذ العمل رہیں گے[1]

☆ سینئر ریسرچ /ٹرانسلیشن آفیسر ، وفاقی شرعی عدالت ، اسلام آباد -

پاکستان کے لیے آئین سازی کی مہم شروع ہوئی اور مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد پاس ہوئی - اس قرارداد کی منظوری کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ۳۱ علمائے کرام نے ۱۹۵۱ء کو دستور سازی کے لیے متفقہ بائیس نکات پیش کیے جو کہ تاریخ قانون سازی کا ایک اہم حصہ ہیں اور اسے ایک اجماع کی حیثیت حاصل ہے - مجلس شوریٰ نے مولوی تمیز الدین سپیکر آئین ساز اسمبلی کی سربراہی میں مسودہ آئین تیار کر لیا، لیکن بد قسمتی سے گورنر جنرل غلام محمد نے ۲۴- اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ایک حکم نامے کے ذریعے صوبائی اور وفاقی حکومتوں کو برطرف کر کے قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دیں اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا[۲] -

پاکستان کے حصول سے پہلے مسلمان اسلامی نظام کے لیے تڑپ رہے تھے لیکن جب پاکستان بنا اور پاکستان بنانے والے سیاستدان اور مفکرین یکے بعد دیگرے اس فانی دنیا سے رخصت ہوتے گئے تو نفاذ نظام اسلامی کا جوش و جذبہ ماند پڑتا گیا اور انگریز کے وضع کردہ قانون پر تاحال عمل جاری ہے-

مغربی استعماری قوتوں کے سیاسی غلبے سے پہلے دنیائے اسلام پر شریعت اسلامی بطور قانون نافذ رہی - حاکم اور محکوم اسلامی احکام کے تابع تھے اور بالخصوص عوام الناس اس عادلانہ نظام سے مستفید ہوتے رہے - لیکن جب سے مسلمان سیاسی طور پر غلام ہو گئے تو اس سیاسی غلامی کے دیگر نقصانات کے علاوہ بڑا نقصان یہ ہوا کہ عالم اسلام اور اسلامی معاشرہ کی وہ بنیادیں متاثر ہو گئیں جن پر نفاذ شریعت کی عمارت کھڑی کی گئی تھی- اس المیہ کی اصل وجوہات دو ہیں -

۱- معاشرہ میں اسلامی نظام کے نفاذ کا عمل رک جانے کی وجہ سے اجتہاد کا وہ ارتقائی عمل بھی رک گیا جو کہ ہر زمانے میں ضروری ہوتا ہے - اسلامی فقہ کے چار بڑے مسالک ہیں - یہ تمام مسلک فقہاء کے اصول اجتہاد اور منہج اجتہاد میں اختلاف کے سبب وجود میں آئے ہیں -

۲- غلامی کے دو سو سالوں میں علم اور سائنسی ایجادات کے باعث معاشرے کا سارا ثقافتی ڈھانچہ تبدیل ہو گیا جبکہ اس کے مقابلے میں اجتہادی عمل رکنے کے باعث نئے مسائل کے لیے احکام شرعیہ معلوم کرنے میں کافی دشواری محسوس ہوتی ہے - بد قسمتی سے آج ہمیں اپنے اسلاف کی علمی کاوشیں، اسلامی فقہ ، اصول فقہ ، علم کلام و فلسفہ اجنبی محسوس ہوتی ہیں-

علمائے کرام اور بالخصوص علمبرداران شریعت کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ زمانے کی ضرورتوں اور تبدیلیوں کا پوری طرح ادراک کرتے ہوئے اجتہادی ارتقائی عمل کو آگے بڑھائیں اور ماہرین علوم جدید و قدیم اور علمائے دین کے درمیان باہمی منافرت وتعصب ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں اور باہمی اتحاد و اتفاق سے ہر طبقہ اپنے اپنے کام کو خلوص نیت کے ساتھ آگے بڑھائے -

مسلمانان پاکستان نے اسلامی نظام کے نفاذ اور قاضی عدالتوں کے قیام کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھی ہوئی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حکومتوں نے ان کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا ہے اور دستور ۱۹۵۶ء ، دستور ۱۹۶۲ء اور دستور ۱۹۷۳ء کی چند دفعات میں نفاذ شریعت کی تاکید کی گئی ہے -

وفاقی شرعی عدالت کا قیام :

موجودہ آئین میں اسلام سے متعلق بہت سے آرٹیکل موجود ہیں - اس دستور کے حصہ نمبر ۷ میں سابق صدر جنرل ضیاء الحق نے ایک ترمیمی حکم کے ذریعے ایک باب ۳ (الف) کا اضافہ کر دیا - چنانچہ ۱۹۸۰ء کو وفاقی شرعی عدالت کے نام سے ایک مستقل عدالت قائم کی اور آرٹیکل نمبر ۲۰۳ (د) کے تحت اس عدالت کو مخصوص قسم کے قوانین کی جانچ پڑتال کے اختیارات دیئے گئے -

آرٹیکل نمبر ۲۰۳ (سی ۲) میں کہا گیا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت میں جج صاحبان کی کل تعداد آٹھ سے زیادہ نہیں ہوگی - جن میں صرف تین جج علماء میں سے ہوں گے ،

وفاقی شرعی عدالت کا سربراہ چیف جسٹس ہوگا - چیف جسٹس صرف وہی شخص ہوگا جو سپریم کورٹ کا جج ہو یا رہ چکا ہو یا سپریم کورٹ کا جج بننے کا اہل ہو یا جو ہائیکورٹ کا مستقل جج رہا ہو -

اس دفعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی عالم جج (مذہبی علوم کا ماہر) شریعت کورٹ کا چیف جسٹس نہیں بن سکتا - وفاقی شرعی عدالت کے کسی فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل ہو سکتی ہے جس کے لیے شریعت اپیلنٹ بینچ بھی قائم کیا- اس میں دو علماء جج صاحبان عارضی جج کی حیثیت سے کام کریں گے [۳] -

اسلامی نظریاتی کونسل :

آئین کی دفعات نمبر ۲۲۷ سے ۲۳۰ کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل بھی قائم ہے جو مختلف قوانین کے متعلق اپنی سفارشات پیش کر چکی ہے -

سابق صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے صدارتی حکم نمبر ۱ سال ۱۹۸۸ء کے ذریعے شریعت آرڈیننس نافذ کیا، لیکن ان کی وفات کے بعد اسمبلی نے اسے پاس نہیں کیا - اس لیے وہ مستقل قانون نہ بن سکا[۴] -

نواز شریف حکومت نے ۱۹۹۱ء کو نفاذ شریعت ایکٹ پاس کیا - اس ایکٹ کو خلاف اسلام ہونے کی بنیاد پر وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا - عدالت نے دفعہ ۳(۲)، دفعہ ۱۹ کا سود والا حصہ خلاف اسلام قرار دے دیا[۵] -

اس وقت حکومت یہ کوشش کر رہی ہے کہ دونوں ایوانوں سے اس طرح کا ایک اور شریعت بل منظور کروا کے آئین کا حصہ بنا دیں -

مالاکنڈ ڈویژن میں نظام قضاء ! تدریجی مراحل :

مالاکنڈ ڈویژن تین ریاستوں ، دیر (۶) ، سوات (۷) ، چترال اور ایک ایجنسی مالاکنڈ پر مشتمل ہے - یہ ریاستیں پاکستان کا حصہ بننے سے پہلے آزاد اور خود مختار الگ الگ ریاستیں تھیں اور باقاعدہ انگریز سلطنت کا حصہ نہیں بنیں - ان کا اپنا ایک نظام ہوتا تھا- دیر کے سربراہ حکومت کو نواب ، چترال کے سربراہ کو مہتر اور سوات کے سربراہ کو والی کہا جاتا تھا- یہ سربراہ کلی طور پر خود مختار ہوتے تھے - نظام ریاست کو چلانے کے لیے تحریری شکل میں کوئی مدون قانون نہیں تھا ، جس کو سربراہ نے اپنے دستخط سے جاری کیا ہو، البتہ دیر میں دستور العمل کے نام سے ایک کتاب موجود تھی (۸) - برصغیر کی تقسیم کے بعد ان ریاستوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا -

ان ریاستوں میں اسلامی شریعت کا سادہ ، آسان اور فوری انصاف مہیا کرنے والا نظام رائج تھا - قیام پاکستان کے بعد کئی برسوں تک یہ ریاستیں خود مختار رہیں اور ان کا اندرونی نظام برقرار رہا - ریاست سوات میں محکمہ قضاء اور ریاست چترال میں میزان شریعت اب بھی قائم ہے لیکن ان کی حیثیت قضاء کی نہیں بلکہ صرف افتاء کی رہ گئی ہے-

پاٹا ریگولیشن کا نفاذ :

۱۹۶۹ء کو حکومت نے عوامی مطالبات کے پیش نظر سوات ، دیر اور چترال کی ریاستیں پاکستان میں مدغم کر کے ان پر مشتمل مالاکنڈ ڈویژن تشکیل دیا (۹) ، اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ریگولیشن نمبر ۱ کے ذریعے ان ریاستوں کے اختیارات ان کے سربراہوں سے لے کر مغربی پاکستان کے منتظم کے ہاتھ میں دے دیئے اور ان کو باقاعدہ پاکستان کا حصہ بنا دیا - ان ریاستوں کے باشندوں نے پاکستان حکومت کی مزاحمت اس لیے نہیں کی کہ وہاں کے عوام پاکستان کو ایک اسلامی ملک اور اس میں ضم ہونے کو اپنی خوشحالی کی نوید سمجھتے تھے- جب مغربی پاکستان کا صوبہ صدارتی حکم نمبر ۱ ، سال ۱۹۷۰ء کے ذریعے توڑ دیا گیا تو

ان ریاستوں دیر ، سوات اور چترال کو پاکستان کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا - اس طرح سے وہی انتظامی ڈھانچہ ان ریاستوں میں بھی نافذ ہو گیا[10] -

ان میں سے دیر ، سوات اور چترال کو ضلعوں کا درجہ دے کر ساتھ ہی ان کو قبائلی نام بھی دیئے اور ان کے لیے صوبائی حکومت کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات کا نیا قانون پاٹا ریگولیشن کے نام سے ۱۹۷۵ء میں متعارف کرایا گیا - اس ریگولیشن کے تحت علاقہ کے خوانین ، ملکوں اور انتظامی افسران کو سارے اختیارات سونپے گئے ، عدالتی نظام جرگہ سسٹم کے تحت چلتا رہا، جرگہ جو بھی رائے دیتا اس کو حرف آخر سمجھا جاتا ، خواہ وہ قانون اور شریعت دونوں سے متصادم ہی کیوں نہ ہو - ضلعی انتظامی افسر کو وسیع صوابدیدی اختیارات حاصل ہوئے[11] -

۱۹۹۴ء میں ہائی کورٹ کے فیصلے میں یہ قوانین مالاکنڈ ڈویژن کے عوام پر نافذ رہے ، عام لوگوں کو پرانے نظام کی خوبیوں اور برکتوں کا احساس ہونے لگا تو انہوں نے احیائے دین کے لیے نئے سرے سے کوششیں شروع کیں -

حکومت نے ۱۹۸۱ء میں جناب جسٹس اللہ بخش خان کو یہ ذمہ داری تفویض کی کہ وہ جائزہ لیں کہ کس حد تک ان علاقوں میں عام قانون کو نافذ کیا جا سکتا ہے - انہوں نے اپنی رپورٹ میں یہ رائے قائم کی :

It would, therefore be in the interest of national integrity that uniform civil and criminal laws are enforced in the District of Dir, Swat and Chitral as well as the Malakand protected area and the entire Division is brought at par with the other parts of the country in the field of administration of justice. The Riwaj has outlived its utility and the people of this Division deserve to get rid of the evils of Riwaj which were perpetuated during the tyrannical rule of the de-

spotic Nawab. It is therfore, recommended that in view of the real need of the hour and in the interest of national integrity, the PATA regulations enforced in the District of Dir, Swat and Chitral be replaced by the normal laws of the country and the entire provincially Administered Tribal Area be brought at par with the other parts of the land.(12)

(اس لیے قومی یکجہتی کے لیے ضروری ہے کہ دیر، سوات، چترال اور مالا کنڈ کے علاقوں میں ایک متفقہ دیوانی اور فوجداری قانون نافذ ہو اور انصاف رسانی کے لیے پورے ڈویژن کو ملک کے دوسرے حصوں کے برابر لایا جائے - رواج کی افادیت ختم ہو چکی ہے اور اس ڈویژن کے لوگ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو رواج کی برائیوں سے آزاد کرایا جائے - جس کو نواب کے استبدادی حکمرانی کے دور میں دوام حاصل تھا-

لہذا یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ اس وقت کی حقیقی ضرورت اور قومی یکجہتی کی خاطر دیر، سوات اور چترال میں نافذ پاٹا ریگولیشن کی جگہ ملک کا قانون نافذ کیا جائے اور تمام صوبائی زیر انتظام قبائلی علاقہ جات کو ملک کے دوسرے حصوں کے برابر لایا جائے -)

اس رپورٹ پر عمل درآمد نہ ہونے کے سبب عوام نے ہائی کورٹ میں رٹ پٹیشن دائر کر دی اور ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے میں پاٹا ریگولیشن کو ایک ظالمانہ قانون قرار دیتے ہوئے اسے آئین کی دفعہ نمبر ۲۵ ، قرار داد مقاصد اور بنیادی حقوق کے خلاف قرار دے دیا- صوبائی حکومت نے پشاور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا لیکن سپریم کوٹ نے ہائی کورٹ کے فیصلے کو برقراررکھا -

جسٹس سیف الرحمٰن صاحب نے سپریم کورٹ کے فیصلے میں تحریر فرمایا :

The Regulation under examination is according to me violative of :

i) Constitutional guarantee of equality of citizens(Article25). It does not satisfy the legitimate criteria of classification.

ii) Constitutional mandate of clause(3) of Article 175 which came into effect and became fully enforcible as and from 15th August,1987.

iii) Constitutional requirement of clauses(4) and (5) of Article 247, "peace and good Government" not being satisfied as held by my learned brother. (13)

(زیر نظر ریگولیشن میرے نزدیک مندرجہ ذیل دفعات کے ساتھ متصادم ہے :

۱- شہریوں کو دی گئی برابری (آرٹیکل ۲۵)- یہ لوگوں کی جائز درجہ بندی کے معیار کو پورا نہیں کرتا -

۲- دستور کے آرٹیکل ۱۷۵ (۳) میں دیئے گئے اختیارات جو کہ ۱۵- اگست ۱۹۸۷ء سے مکمل طور پر نافذ ہیں -

۳- دستور کے آرٹیکل ۲۴۷ (۴) و (۵) کے لوازمات - جو کہ امن اور بہترین حکومت کے معیار کو پورا نہیں کرتے جیسا کہ میرے بھائی نے تحریر فرمایا ہے -)

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ :

اس طرح وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلے

SSM.No.297/NWFP/84- اور SSM.No.299/NWFP/84- میں

PATA (special provision) Regulation1975

NWFP Criminal Law (special provision)Act 1977(ActVIIof 1977) اور

کی جانچ پڑتال کی ہے اور ان میں سے دفعات نمبر ۱۲،۱۴ کو واضح طور پر خلاف اسلام قرار

دے کر حکومت کو اس میں ترمیم کرنے کا مشورہ دیا ہے[۱۴]۔

قاضی عدالتوں کے قیام کے لیے کوششیں :

اسلامی نظام کے نفاذ کا نعرہ وقتاً فوقتاً لگتا رہا ہے اور علمائے حق نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلامی نظام قضاء کے نفاذ اور جرگہ سسٹم کے خاتمہ کی کوششیں کی ہیں - اس سلسلے میں ضلع دیر کے ایک متبحر اور فقہ اسلامی پر دسترس رکھنے والے عالم دین جناب مولانا محمد عرفان صاحب نے ۱۹۷۴ - ۱۹۷۵ء میں ضلع دیر، میں اسلامی نظام قضاء کے نفاذ کے لیے علاقہ کے مشیران سے ایک تحریری مطالبہ پر دستخط لیے اور جامع مسجد دیر بازار میں اس کا اعلان کر دیا، ساتھ ہی وہ مطالبہ ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو پیش کر کے اسے حکومت تک پہنچانے کا مطالبہ کیا - جناب مولوی محمد عرفان صاحب نے اپنے خطبے میں اس مطالبے کی درج ذیل وجوہات بیان کیں :

۱- چونکہ ضلع دیر میں ابھی تک پاکستانی قانون کو عملاً نافذ نہیں کیا گیا ہے اور یہ قانون انگریز کا وضع کردہ قانون ہے جس کو ماننے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہے - اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس قانون کے نفاذ کا تدارک کیا جائے اور اسلامی قانون کو نافذ کیا جائے جو کہ تمام اہالیان دیر کا مطالبہ ہے -

۲- ضلع دیر کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ فی الوقت اسلامی نظام قضاء کے نفاذ میں حکومت کو کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے - اگر کسی طرح پاکستان کا موجودہ وضعی قانون نافذ کیا گیا تو پھر اسلامی نظام قضاء کے نفاذ کے لیے دوہری محنت کرنی پڑے گی- ایک یہ کہ انگریز کے وضع کردہ قانون کو منسوخ کر کے اس کے زیر سایہ اداروں کو ختم کیا جائے اور دوسری یہ کہ اسلامی نظام قضاء کو نافذ کیا جائے -

اس وقت کے سیاسی حلقوں میں اس کوشش کو پذیرائی نہیں ہوئی اور عین اعلان کے وقت مسجد کے اندر ہی بعض حلقوں کی طرف سے یہ کوشش سیاسی تعصب کا شکار ہوگئی-

جب عام لوگوں کو پاٹا ریگولیشن کی خرابیوں کا بھرپور احساس ہونے لگا تو انہوں نے تحریک نفاذ شریعت محمدیؐ کے نام سے مالاکنڈ ڈویژن میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے تحریک شروع کی اور حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ مالاکنڈ ڈویژن میں اسلامی شریعت کو تمام تر جزئیات کے ساتھ نافذ کرے - اس تحریک کی باقاعدہ ابتدا ضلع دیر کے علاقہ میدان سے ہوئی - اس کے سربراہ مولانا صوفی محمد تھے، جنھوں نے اس تحریک کی قیادت کی - رفتہ رفتہ یہ تحریک مقبولیت حاصل کرتی گئی یہاں تک کہ مالاکنڈ ڈویژن، ضلع کوہستان اور باجوڑ ایجنسی کے عوام بھی اس میں خاصی تعداد میں شامل ہو گئے اور پورے علاقے میں شریعت اسلامی کے نفاذ کا مطالبہ زور پکڑ گیا - اس سلسلے میں تحریک کے رہنماؤں نے اپنی سطح پر عملی اقدامات کرتے ہوئے، قضاء کا اپنا ایک نظام تشکیل دیا جہاں لوگ رضاکارانہ طور پر آکر اپنے مقدمات پیش کرتے تھے اور اسی نظام کے تحت صادر شدہ حکم پر عمل درآمد کرتے تھے[۱۵]۔

تحریک کے کارکنوں نے مئی ۱۹۹۴ء میں مالاکنڈ روڈ پر خیمہ زن ہو کر اسے آمد و رفت کے لیے بند کر دیا - پورے مالاکنڈ ڈویژن میں شریعت کے نفاذ کے لیے مظاہرے کیے گئے اور ضلع بونیر میں پولیس کی مظاہرین پر فائرنگ سے ۱۴ کارکن جاں بحق ہو گئے[۱۶]

آخر کار حکومت صوبہ سرحد نے ایک مختصر حکم کے ذریعے مالاکنڈ میں شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا - چنانچہ عوام اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے لیکن حکومت کی طرف سے اس صادر کردہ حکم کے نفاذ کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی- بعد ازاں نومبر ۱۹۹۴ء میں قاضی عدالتوں کے قیام کا اعلان کیا گیا[۱۷] - لیکن اس وقت

اس اعلان پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے تحریک جاری رکھنے کا اعلان کر دیا گیا- اس لیے تحریک پھر سے شروع ہو گئی اور جلسے جلوس، یہاں تک کہ عدلیہ کے جج صاحبان یرغمال بنا لیے گئے اور سوات میں ایک ایم پی اے بدیع الزمان قتل کر دیئے گئے، عوام اور

حکومتی اہلکاروں کے درمیان جنگ کی نوبت آگئی اور ایک معتدبہ تعداد میں لوگ ہلاک ہو گئے (۱۸)۔

شرعی نظام عدل ریگولیشن کا نفاذ :

ان حالات میں صوبہ سرحد میں صدر کی اجازت سے گورنر سرحد نے شرعی نظام عدل ریگولیشن ۱۹۹۴ء نافذ کر دیا۔

یہ ریگولیشن تمہید، بارہ دفعات اور چار جدولوں پر مشتمل ہے۔ تمہید میں ریگولیشن کے اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ صوبائی زیر انتظام قبائلی علاقہ جات میں عدالتوں کے ذریعے نفاذ نظام شریعت کا اہتمام کرنا درکار ہے۔ اس ریگولیشن کی دفعہ نمبر۱ نام، وسعت اور نفاذ سے متعلق ہے اور دفعہ نمبر ۲ میں تعریفات بیان کی گئی ہیں۔ دفعہ نمبر ۳ قوانین کے اطلاق سے متعلق ہے۔ اس دفعہ کی ذیلی دفعہ نمبر ۴ میں کچھ اشکالات موجود ہیں جن کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ دفعہ نمبر ۴ علاقہ میں نافذ مخصوص قوانین کی موقوفی سے متعلق ہے۔ دفعہ نمبر ۵ میں عدالتی افسران اور ان کے اختیارات و کارہائے منصبی بیان کیے گئے ہیں۔ دفعہ نمبر ۶ معاون قاضی اور عالم وکیل کی تقرری اور برطرفی سے متعلق ہے۔ دفعہ نمبر ۷ مصلح مقرر کرنے اور مقدمہ کا تصفیہ کرنے یا اس سے مقدمہ واپس لینے سے متعلق ہے۔ دفعہ نمبر ۸ عدالتی افسران اور محتسبین کے طریق کار سے متعلق ہے۔ اس دفعہ میں غیر مسلموں کے متعلق ایک شرط رکھی گئی ہے۔ اس کی وضاحت بھی ازروئے شریعت ضروری ہے۔ دفعہ نمبر۹ عدالتی زبان سے متعلق ہے۔ دفعہ نمبر ۱۰ محتسبین اور ان کی کارکردگی سے متعلق ہے۔ دفعہ نمبر ۱۱ حکومت کے اس نظام کو جاری رکھنے کے لیے قواعد بنانے کے اختیار سے متعلق ہے اور دفعہ نمبر ۱۲ اس ریگولیشن کے نفاذ سے پہلے بعض قوانین کی تنسیخ سے متعلق ہے۔ جدول نمبر ۱ میں دفعات نمبر ۲ (ز) اور ۳(۱) کے مطابق علاقہ میں نافذ کیے جانے والے قوانین کی فہرست، جدول نمبر ۲ دفعہ نمبر ۲ (ج)، (ر) و (ز)، ۵(۹) اور ۸(۲) کے مطابق جج اور عدالتی افسران کے

عہدوں کے ناموں سے متعلق ہے - جدول نمبر ۳ دفعات ۲(ز) و ۳(۳) کے مطابق قوانین کے نام درج ہیں - جدول چہارم دفعات ۲(ز) و ۱۰(ا) کے مطابق محتسبین کے ناموں اور عہدوں سے متعلق ہے -

اس کے علاوہ دفعہ نمبر ۱۱ کے تحت قواعد بھی بنائے گئے ہیں - جن کو حکومت صوبہ سرحد نے اپنے ایک نوٹیفکیشن ۱۲/۱۲/۱۹۹۴ء نفاذ شریعت قواعد صوبائی زیر انتظام قبائلی علاقہ جات کے نام سے جاری کیا اور یہ کل سات قاعدے ہیں - اسی طرح کا نفاذ شریعت ریگولیشن اور نفاذ شریعت قواعد ضلع کوہستان میں بھی نافذ ہیں -

مجموعی طور پر نفاذ شریعت ریگولیشن ۱۹۹۴ء اور نفاذ شریعت قواعد ۱۹۹۴ء شریعت کے نفاذ کے لیے پہلا قدم ہے - اس لیے یہ کوشش قابل تحسین ہے - جہاں تک اس ریگولیشن اور قواعد کی اصلاح، ترمیم و وسعت وغیرہ کا تعلق ہے عموماً وقت کے تقاضوں کے مطابق اس میں ترمیم ہوئی ہیں اور ہوتی رہیں گی - یہی وجہ ہے کہ ۱۹۹۷ء میں حکومت صوبہ سرحد نے مفتی ادریس ایڈووکیٹ کی سربراہی میں نفاذ شریعت ریگولیشن اصلاحات کمیشن قائم کیا اور اسے تین مہینے میں سفارشات پیش کرنے کے لیے کہا گیا - کمیشن نے اس سلسلے میں عوامی نمائندگان، علمائے کرام اور عدالتی افسران کے ساتھ مذاکرات اور مباحثے کیے - آخر میں انہوں نے رپورٹ اور مسودہ پیش کیا - اس مسودہ پر ہر سطح کے لوگوں نے اپنی ذہنیت کے مطابق اعتراضات کیے اور اس کو نفاذ کے قابل قرار نہیں دیا - اس لیے تاحال اس کو کوئی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہوئی -

شریعت اسلامی میں قانون بنانے والے خاص قسم کے لوگ ہوتے ہیں جن کو مجتہدین کہا جاتا ہے اور فقہائے اسلام کے نزدیک ہر ایک آدمی مجتہد نہیں ہو سکتا بلکہ اگر کسی شخص میں وہ خاص شرائط موجود ہوں جو مجتہد کے لیے ضروری ہوتی ہیں تو وہ مجتہد کہلائے گا اور پھر وہ حالات و زمانہ کی مناسبت سے شریعت اسلامی کی طرف سے متعین کردہ

حدود کے اندر رہتے ہوئے اجتہاد کر سکتا ہے - اگر ایسا نہ ہو تو یہ اجتہاد نہیں بلکہ فساد فی الدین ہوگا -

شاید اس کمیشن میں پہلی خامی یہی تھی جس کی وجہ سے وہ صحیح نتیجہ تک نہ پہنچ سکا اور اس کی طرف سے تیار کردہ مسودہ اسلامی حلقوں میں ناقابل التفات قرار دے دیا گیا-

دوسری وجہ شاید یہ ہے کہ کمیشن موجودہ وضعی قوانین کو شریعت کا نام دے کر کسی نہ کسی طریقے سے نافذ کرنا چاہتا تھا - اس لیے اس مسودہ کی نہ صرف علمائے کرام نے بلکہ خود وکلاء برادری نے بھی مخالفت کی -

نفاذ شریعت ریگولیشن کی چند مخصوص دفعات اور شرعی نقطہ نظر سے ان کی تنقیح :

کوئی قانون اس وقت تک صحیح اور بروقت انصاف مہیا کرنے کی ضمانت نہیں دے سکتا جب تک اس کے نفاذ کے لیے علم و فضل اور تدین کی صفات سے آراستہ ، مردان کار اور عادلانہ دستورالعمل موجود نہ ہو - ہمارے اسلاف امجاد اس حقیقت کا پوری طرح ادراک رکھتے تھے اسی لیے دوسری صدی ہجری سے ہی قانون شریعت کے نفاذ کے ضروری اداروں اور عدالتوں کے طریق کار کے موضوع کو ایک مستقل علمی حیثیت حاصل ہو گئی - یہ فن اسلامی علوم کی اصطلاح میں ادب القاضی کے نام سے موسوم ہوا- اسلامی نظام عدل و قضاء میں منصب قضاء کی حیثیت ، مرتبہ اور ذمہ داری ، شہادت اور اس سے متعلقہ احکام ، دعویٰ کے فریقین کے حقوق اور ذمہ داریاں اور ان کے ساتھ عدالت کا رویہ ، سماعت اور عدالتی کاروائی کا طریقہ کار ، قاضی کے اوصاف اور اس کا تقرر یا انتخاب اور معزولی ، شرائط شہادت اور تزکیہ شہود ، حلف اور نکول (قسم کھانے سے انکار) ، افتاء ، تحکیم ، ثالثی ، وکالت ، ادارہ احتساب اور ولایت مظالم سے متعلق امور اس فن کے عام موضوعات رہے ہیں -

اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے صادر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے والے شریعت اسلامی سے کماحقہ واقف ہوں اور ان میں اسلامی قضاء یا ایک شرعی قاضی کے تمام اوصاف موجود ہوں - اسلامی شریعت میں قاضی کی شخصیت کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے - اس لیے کوئی بھی اس منصب کے حاصل کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں مخصوص شرائط نہ پائی جائیں - ان شرائط میں سے بعض شرائط ایسی ہیں جن پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے اور بعض ایسی ہیں جن میں فقہاء اسلام کا اختلاف ہے چنانچہ نفاذ شریعت ریگولیشن نافذ کیا گیا لیکن قانونی اور شرعی ابہام دور نہ کیے جا سکے ، صرف مجسٹریٹوں کے نام تبدیل کر کے انہیں قاضی کے نام دے دیئے گئے[۱۹]- شرعی نظام عدل قواعد کا قاعدہ نمبر ۳ قاضی کی تعیناتی سے متعلق ہے - شریعت اسلامی میں اس شخص کو قاضی مقرر کیا جاتا ہے جس میں قضاء کے شروط موجود ہوں اور شرط کی موجودگی تقرری سے پہلے ہونی چاہیئے - کیونکہ اصول فقہ میں شرط کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ " هو ما یتوقف علیه و جودالشئ و یکون خارجا عن ماهیة "[۲۰] یعنی شرط وہ چیز ہے جس پر کسی چیز (مشروط) کا دارومدار ہوتا ہے اور یہ " مشروط " سے باہر ہوتا ہے اور مشروط کی بنیاد شرط پر ہوتی ہے - جبکہ شریعت ریگولیشن میں اس کے برعکس ہے - پہلے قاضیوں کی تقرری عمل میں لائی جاتی ہے - اس کے بعد ان کی اخلاقی تربیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور قاعدہ نمبر ۳(۵) جو Conditions for Qazis یعنی قاضی کے لیے شرائط سے متعلق ہے - حقیقت میں یہ قاضی کے لیے ہدایات ہیں قاضی کی شرائط نہیں ہیں - قاعدہ کی عبارت یہ ہے -

Condition for Qazi

A Qazi shall try his best to take guidance from the Holy Quran and Sunnah. While Interpreting and exploring the Shariah, the recognised principles of Interpretation and explaination of the Holy Quran and Sunnah shall be followed and the expositions and

opinions of recognised jurists of Islam belonging to prevalent Islamic schools of Jurisprudence may be taken into consideration.

قاضی کے لیے شرائط :

قاضی پوری کوشش کرے گا کہ وہ قرآن اور سنت سے راہنمائی حاصل کرے - وہ شریعت کی تعبیر و تشریح کے لیے قرآن اور سنت کے تعبیر و تشریح کے مسلمہ اصولوں کی پیروی کرے گا - کسی تسلیم شدہ اسلامی فقہی مسلک کے تسلیم شدہ فقہاء کی آراء اور تشریحی بیان کو اہمیت دے گا -

اس ریگولیشن میں قاضی کی تعیناتی کے لیے شریعت اسلامی میں مقرر کردہ شرائط کا التزام نہیں کیا گیا ہے - یہ مطلوبہ شرائط اجمالاً درج ذیل ہیں -

اسلام ، بلوغ ، عقل ، حریت ، مرد ہونا، عادل ہونا، اجتہاد کی صلاحیت رکھنا، آنکھوں اور کانوں کا سلامت ہونا، بولنے کی صلاحیت رکھنا وغیرہ -

حکومت نے جن قاضیوں کو ذمہ داریاں تفویض کی ہیں ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا کماحقہ کوئی انتظام نہیں کیا گیا - اصلاحات کے نام سے کمیشن نے جو مسودہ پیش کیا ہے ان میں واضح طور پر قاضی کی تقرری سے متعلق دفعہ نمبر ۳ کی ذیلی دفعہ نمبر ۱ کے جزو (۱) سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ " پہلے سے موجود عدالتی افسران عہدہ قضاء کے لیے اہل ہیں " - اس دفعہ میں شریعت اسلامی پر دسترس رکھنے والے اور قضاء کی شرائط سے متصف اصحاب کی ضمناً نفی کی گئی ہے -

ڈاکٹر محمد عبدالقادر ابو فارس نے قاضی کی شرائط اہلیت میں سے علم کو ایک اہم شرط قرار دیتے ہوئے اس کی تفصیل بیان کی ہے ، وہ فرماتے ہیں :

" فمنهم من قال بان العلم المشترط هـهنا هو الاجتهاد ، اى ان يكون القاضى مجتهدا، فلا يقبل قضاء العامى غير المجتهد، قال

بهذا الحنابله وابن حزم ، وادعى الاجماع عليه، وكذلك الشافعيه"— وحكى القاضى عبدالوهاب المالكى بانه مذهب مالك— وهو لاء قالوا ان المجتهد من يعرف من كتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وسم الحقيقة والمجاز والامر والنهى والمجمل والمبين، والخاص والعام، والمطلق والمقيد والناسخ والمنسوخ — و يعرف من السنة صحيحها و سقيمها و متواترها من آحادها و مرسلها و متصلها و مسندها و منقطعها مماله تعلق بالاحكام خاصة و يعرف ما اجمع عليه مما اختلف فيه و يعرف القياس و حدوده و شروطه و كيفيه استنباطه ، والعربية "(۲۱)

(بعض فقہاء نے کہا ہے کہ علم سے مراد اجتہاد ہے یعنی قاضی مجتہد ہونا چاہیئے- اس لیے کسی عام آدمی جو مجتہد نہ ہو کی قضاء کو تسلیم نہیں کیا جائے گا - یہ رائے حنابلہ اور ابن حزم ظاہری کی ہے - ن کا دعویٰ ہے کہ اس پر اجماع ہے - اس طرح یہ رائے شافعیہ کی بھی ہے اور قاضی عبدالوہاب مالکی نے حکایت کیا ہے کہ مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے ان فقہاء کے نزدیک مجتہد وہ شخص ہے ، جو کتاب اللہ سنت رسول ﷺ ، حقیقت ، مجاز ، امر ، نہی ، مجمل ، مبین ، خاص ، عام ، مطلق ، مقید ، ناسخ اور منسوخ کا علم رکھتا ہو اور سنت میں سے صحیح ، کمزور ، متواتر ، خبر واحد ، مرسل ، متصل، مسند اور منقطع احادیث کا علم رکھتا ہو اور خصوصاً جن کا احکام کے ساتھ تعلق ہو اور جن چیزوں پر اجماع ہوا ہو یا جس میں اختلاف ہوا ہو ، قیاس ، اس کے شروط ، طریقہ استنباط اور عربی زبان کا علم رکھتا ہو)

احناف کے نزدیک قاضی کا عالم مجتہد ہونا شرط نہیں ہے - بلکہ مستحسن ہے کیونکہ وہ بذریعہ استفتاء علماء سے استفادہ کر کے معاملات کو نمٹا سکتا ہے - تاہم امام کاسانی نے

فرمایا ہے : احکام سے نابلد شخص کو منصب قضاء تفویض کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ ایسا شخص بذات خود تو معاملات کو سنوارنے کی کم اور بگاڑنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے بلکہ نادانستہ طور پر وہ باطل (void) فیصلے کرتا ہے "(۲۲)

قاضی علامہ ابی الدم الحموی قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیے اجتہاد کی شرط پر تفصیلی بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ اجتہاد کی شرط اس دور میں درست تھی جبکہ کوئی بھی علاقہ ایسے صالح صفت مجتہدین سے خالی نہیں تھا جو قضاء اور افتاء کے اہل ہوتے تھے - لیکن جہاں تک ہمارے دور کا تعلق ہے تو اب چونکہ اس قسم کے لوگ ناپید ہیں اس لیے ہمارے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ ہم اس قول کو ہی قابل ترجیح سمجھیں کہ جس کی رو سے کسی امام کے پیروکار کو اپنے امام کے مذہب کے بارے میں علم رکھنے کی صورت میں اسے قضاء کا منصب سپرد کیا جا سکتا ہے - عالم ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے ائمہ کے اقوال اور نصوص کے غالب حصہ کو سمجھتا ہو، ذہین و فطین ہو، صحیح الفکر اور فطرت سلیمہ کا مالک ہو، اپنے مذہب کے مرجوحہ اقوال کی نسبت درست اقوال کا زیادہ علم رکھتا ہو، اپنے ائمہ کے اقوال کو جانتا ہو، اپنے مذہب میں نقل شدہ عبارات سے درست سمجھ آنے والا مفہوم سمجھنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہو اسے قیاس کا ملکہ حاصل ہو اور فہم و فراست کا مالک ہو - دلائل کی پہچان کر سکتا ہو اور ان کی صحیح ترتیب اور مختلف احکام کی پرکھ ان دلائل کی روشنی میں کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو"(۲۳)-

مذکورہ ریگولیشن کی دفعہ نمبر ۳(۴) کی عبارت ملاحظہ ہو : " مذکورہ علاقہ میں فی الوقت نافذ العمل کسی بھی قانون میں کچھ بھی موجود ہونے کے باوجود کوئی جج یا عدالتی افسر ، اس کی عدالت میں تصفیہ طلب کوئی مقدمہ چلاتے وقت ، شریعت کے معین اصولوں کے مطابق ہر لحاظ سے مقدمہ کی کارروائی کی سماعت کرے گا اور شریعت مطہرہ کے مطابق اپنے طریقہ کار کو منضبط کرے گا -

یہ عبارت ظاہری طور پر بہت دلکش ہے لیکن یہ دفعہ تقاضا کرتی ہے کہ قاضی شریعت اسلامی پر دسترس رکھتا ہو، تاکہ وہ مقدمہ چلاتے وقت اپنے طریقہ کار کو احکامات شرعیہ کے مطابق منضبط کر سکے - لیکن اگر قاضی شریعت اسلامی کا علم ہی نہ رکھتا ہو، تو وہ اپنی کاروائی کو شریعت اسلامی کے اصولوں کے مطابق کس طرح انجام دے گا - یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایسے قاضیوں کی مذمت کی ہے اور جاہل قاضیوں کو جہنم کی آگ قرار دیا ہے -

اگر قاضی میں اجتہاد کی صلاحیت موجود نہ ہو اور وہ اپنے معاونین یعنی وکلاء پر بھروسہ کرتا ہے تو بھی وہ صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکے گا - کیونکہ فقہائے کرام کے مناہج اجتہاد یا اصول اجتہاد میں اختلاف کی وجہ سے ان کے نتائج میں اختلاف ہوتا ہے اور اگر غیر مجتہد یا بالفاظ دیگر علم فقہ سے ناواقف قاضی کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ کسی بھی مذہب کے مطابق فیصلہ دے سکتا ہے تو یہ تلفیق غیر مشروع یعنی ناجائز پیوندکاری کے صادر ہونے کا امکان پیدا ہو جائے گا اور قاضی پھر وہی کچھ کرے گا جس کی کسی بھی مذہب میں اجازت نہ ہو -

تلفیق کسی ایسے کام کے کرنے کا نام ہے جس کی اجازت کسی بھی مذہب میں نہ دی گئی ہو - یعنی کسی ایک مسئلہ میں جس کے بہت سے ارکان ، اجزاء یا شرائط ہوں سب مذاہب یا کم از کم دو مذاہب کی اس طرح تقلید کرنا کہ اس سے ایک ایسا مرکب حقیقت وقوع پذیر ہو جائے جس کے جائز ہونے کے متعلق کسی بھی مذہب میں گنجائش نہ ہو اور دونوں مذاہب یعنی جس مذہب کا یہ قاضی مقلد ہے اور جس مذہب کی رائے اس نے لی ہے کے نزدیک یہ عمل باطل ٹھہرتا ہے - اس کی مثال یہ ہے کہ ایک حنفی المذہب وضو میں ایک رائے امام ابو حنیفہ کی اختیار کرے دوسرے جز سے متعلق امام شافعی کی رائے اختیار کرے مثلاً مسح راس کے حکم پر امام شافعی کے مذہب کے مطابق عمل کرے پھر اپنی بیوی کو بغیر جنسی خواہش کے لمس کے مسئلے میں امام ابو حنیفہ یا امام مالک کی تقلید کرتے ہوئے اس کو ناقض وضو نہ سمجھ کر بیوی کو ہاتھ لگا دے اور نماز پڑھے تو یہ وضو کسی بھی

مذہب میں جائز نہیں ہے - امام شافعی کے نزدیک یہ اس لیے باطل ہے کہ اس نے بیوی کو لمس کیا ہے جس سے اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس لیے باطل ہے کہ اس نے ربع راس کا مسح نہیں کیا ہے - اس طرح امام مالک کے نزدیک بھی اس لیے باطل ہے کہ اس نے پورے سر کا مسح نہیں کیا ہے اور اس نے وضو کے اعضاء صحیح طور پر ملے نہیں ہیں -

امام اسنوی نے فرمایا ہے :

اذا قلد مجتهداً فی مسئلة فلیس له تقلید غیره فیها اتفاقاً ویجوز ذلك فی حکم اخر علی المختار فلوالتزم مذهباً معیناً کالطائفه الشافعیة والحنفیة ففی الرجوع الی غیره من المذاهب ثلاثة اقوال ثالثها یجوز الرجوع فیما لم یعمل به ولا یجوز فی غیره--- فشرط ان لا یکون موقعا فی امر یجتمع علی ابطاله الامام الذی کان علی مذهبه والامام الذی انتقل الیه[۲۴] -

(کسی نے ایک مسئلے میں ایک مجتہد کی تقلید کی تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں اس کے علاوہ کسی دوسرے مجتہد کی تقلید کرے - اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے - جبکہ کسی دوسرے مسئلے میں دوسرے مجتہد کی تقلید جائز ہے - یہ راجح قول ہے - اگر اس نے کسی حکم میں کوئی خاص مذہب مثلاً شافعی اور حنفی کو اختیار کر لیا ہے تو اس مسئلے میں کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے سے متعلق تین اقوال ہیں - تیسرا قول یہ ہے کہ اگر اس (مستفتی) نے اس حکم پر عمل نہیں کیا ہو تو اس کے لیے اس حکم سے رجوع جائز ہے - اگر عمل کیا ہو تو پھر رجوع جائز نہیں ہے --- اس لیے شرط یہ ہے کہ جدید رائے کو اختیار کرنے سے وہ کسی ایسے واقعہ میں مبتلا نہ ہو کہ جس کے باطل ہونے پر دونوں امام متفق ہیں یعنی جس کا وہ مقلد ہے اور جس کی رائے کی طرف اس نے رجوع کیا ہے)

اسلامی نظام کی یہ خصوصیت ہے کہ کسی بھی مسئلے یا انسانی فعل کے لیے شریعت اسلامی میں حکم موجود ہے - بعض احکام اجمالی یا تفصیلی طور پر قرآن کریم اور سنت نبویؐ میں بیان کیے گئے ہیں جبکہ بعض مسائل کے احکام مجتہدین علمائے کرام نے قرآن اور سنت سے مستنبط کر کے بیان کیے ہیں - طریقہ استنباط احکام میں مجتہدین کے آپس میں اختلافات بھی واقع ہوئے ہیں - اس کا اثر نتائج یعنی احکام پر بھی پڑا ہے - بعد میں آنے والے علمائے کرام نے کوشش کی ہے کہ ہر فقیہ کا مرتبہ واضح کیا جائے تاکہ راجح احکام شرعیہ کی تمیز ہو سکے - فقہاء کی کتابوں میں مجتہدین اور مقلدین کے کل سات طبقات بیان کیے گئے ہیں لہذا ضروری ہے کہ ان علمائے کرام کی علمی کاوشوں سے استفادہ کیا جائے اور قاضیوں کی سہولت کی خاطر فقہ کو ارجح حکم پر مدون کر کے قانونی طور پر نافذ کیا جائے -

مجتہدین کے سات طبقے مندرجہ ذیل ہیں :-

پہلا طبقہ مجتہدین شرع کا ہے چنانچہ امام اور ان کے مانند جنہوں نے اصول اور قواعد کی بنیاد رکھی ہے ، اور احکام فروع کو دلائل اربعہ یعنی کتاب ، سنت ، اجماع اور قیاس سے مستنبط کیا اور وہ اس میں کسی کے مقلد نہیں ہیں -

دوسرا طبقہ مجتہدین فی للمذہب کا ہے - چنانچہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ جنہوں نے احکام کا استنباط امام اعظم کے اصولوں کے مطابق کیا - اگرچہ صاحبین نے بعض احکام فروع میں امام سے اختلاف کیا لیکن قواعد اور اصول میں ان کے تابع ہیں -

تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا ہے چنانچہ خصافؒ ، طحطاوی ، ابوالحسنؒ کرخی ، شمس الائمہ سرخسی ، شمس الائمہ حلوائی ، فخر الاسلام بزدوی اور فخر الدین قاضی خان وغیرہ جو امام کی مخالفت پر قادر نہیں نہ اصول میں نہ فروع میں لیکن وہ امام کے قواعد کے مطابق ان احکام اور مسائل کا استنباط کرتے ہیں جن میں امام سے روایت نہیں -

چوتھا طبقہ اصحاب تخریج مقلدین سے چنانچہ رازی وغیرہ یہ لوگ اجتہاد پر اصلاً قادر نہیں لیکن احاطہ اصول اور ضبط ماخذ سے امام یا اصحاب امام کے قول پر مجمل الوجہین اور

حکم مبہم محتمل الامرین یعنی پہلو دار قول کی تفصیل پر قادر ہیں -

پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح مقلدین کا ہے جن میں ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ شامل ہیں - ان کا رتبہ یہ ہے کہ ایک روایت کو دوسری روایت پر تفصیل دیتے ہیں اس طرح کہ یہ قول اولیٰ ہے یا اصح ہے ، روایتاً یا درایتاً -

چھٹا طبقہ ان مقلدوں کا ہے جو مابین قوی اور ضعیف اور ظاہر مذہب اور ظاہر الروایہ اور روایت نادرہ کے امتیاز پر قادر ہیں - ان کا رتبہ یہ ہے کہ اپنی کتابوں میں اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے -

ساتواں طبقہ ان مقلدوں کا ہے جو تمیز روایات پر قادر نہیں[۲۵] -

پاکستان میں چوتھے طبقہ کی صفات سے متصف طبقہ کے لوگوں کی کمی نہیں - اس لیے نظام قضاء میں ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے -

معاون قاضی اور عالم بحیثیت وکیل :

ریگولیشن کی دفعہ نمبر۶ معاون قاضی اور عالم وکیل سے متعلق ہے - حکومت کسی شخص کو قاضی کی معاونت کے لیے مقرر کر سکتی ہے - شریعت اسلامی میں قاضی دوسرے علماء فقہاء سے مشورہ لے سکتا ہے - شرح ادب القاضی میں مشورہ لینے کے لیے یہ ضوابط مقرر کیے گئے ہیں -

اگر قاضی فقہاء سے مشورہ لے اور وہ سب اس مسئلہ پر متفق ہو جائیں اور قاضی کی رائے بھی ان کی رائے کے مطابق ہو تو قاضی کو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیئے اور اگر ان کے مابین اختلاف ہو تو قاضی اگر مجتہد ہے تو اس کو وہ رائے اختیار کرنی چاہیئے جو حق کے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہو -

رائے لینے کے بارے میں کبر سنی اور کثرت تعداد کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا جہاں تک کبر سنی کا تعلق ہے تو کبھی نوعمر کو کسی پیش آمدہ مسئلہ میں عمر رسیدہ شخص کی نسبت صحیح بات کا علم ہوتا ہے - جیسا کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ حضرت ابن عباسؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور انہیں فرماتے : "غص یاغواص" (علم کی گہرائی میں غوطہ لگانے والے غوطہ لگاؤ) - حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ سے عمر میں کافی بڑے تھے - اگر قاضی کو کسی مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آجائے اور وہ اس بارے میں کسی دوسرے فقیہ سے مشورہ لے تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں :

۱- اگر قاضی اہل الرائے اور مجتہد نہیں تو وہ دوسرے فقیہ کا قول اختیار کرے ، اس لیے کہ جب وہ اہل الرائے نہیں ہے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مفتی سے فتویٰ دریافت کر کے فیصلہ صادر کرے -

۲- اگر وہ اہل الرائے اور مجتہد ہو اور اس کی اپنی رائے دوسرے فقیہ کے برعکس ہو تو پھر وہ اپنی رائے کے مطابق فیصلے کرے ، کیوں کہ وہ اپنی رائے کو درست اور صحیح سمجھتا ہے - اس کے لیے مشورہ لینا اس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ شاید دوسرے فقیہ کی رائے اس کے مطابق ہو ، جب موافقت نہ ہو تو پھر دوسرے کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترک نہ کرے -

اگر قاضی نے اپنی رائے کے مطابق کوئی فیصلہ صادر کیا تو اس کا حکم نافذ العمل ہوگا اور اگر دوسرے فقیہ کی رائے کے مطابق فیصلہ دیا تو پھر بھی اس کا حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نافذ العمل ہوگا لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نافذ العمل نہیں ہوگا- چنانچہ اگر ایسا کوئی مقدمہ حکمران کے علم میں لایا جائے تو وہ اس حکم کو مسترد کر سکتا ہے[۲۶] -

مشورہ دینے والے کی حیثیت ایک امانتدار کی ہے اگر وہ غلط مشورہ دے گا تو وہ شخص گنہگار ہوگا - ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا :

" من افتی بفتیا غیر ثبت فانما اثمه علی الذی افتاه "(۲۷) ۔

(جس شخص کو کوئی فتویٰ دیا جائے جو درست نہ ہو تو اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے اس کو وہ فتویٰ دیا ہو)

غیر مسلم باشندوں کے شخصی قوانین :

اس ریگولیشن کی دفعہ نمبر ۸ ذیلی دفعہ نمبرا میں غیر مسلموں کے مقدمات کی کارروائی کا ذکر ہے ۔ ریگولیشن کی عبارت ملاحظہ ہو " غیر مسلموں کے مقدمات کی کارروائی اور فیصلے ان کے متعلقہ شخصی قوانین کے مطابق کیے جائیں گے " ۔ شریعت اسلامی غیر مسلموں کے حقوق کا پوری طرح لحاظ رکھتی ہے ۔

اسلامی مملکت میں دو قسم کے معاہدوں کے تحت غیر مسلم رہ سکتے ہیں ایک عقد ذمہ اور دوسرا عقد امان ۔

عقد ذمہ ایک دائمی قسم کا عقد ہوتا ہے ۔ اس کے تحت ذمی / غیر مسلم دارالسلام میں دائمی سکونت اختیار کر لیتا ہے ۔

عقد ذمہ کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے :

" هو التزام تقرير الكفار فی دیار نا وحمایتهم والذب عنهم ببذل الجزیة والاستسلام من جهتم "(۲۸)

کفار کا جزیہ دینے اور اسلامی شریعت کے تمام احکام تسلیم کرنے کے بدلے اپنے ملک یعنی دارالسلام میں رہنے ، ان کی حمایت اور دفاع کرنے کے لیے حاکم وقت اپنے اوپر جو التزام کرتا ہے ، اس کو عقد ذمہ کہا جاتا ہے ، یہ لوگ ملک کے شہری ہوتے ہیں اور یہ معاہدہ اسلامی حکومت کا سربراہ یا اس کا نائب کر سکتا ہے ۔

وہ کفار جو اسلامی حکومت میں تجارتی ، تفریحی یا سفارتی مقاصد کے لیے آتے ہیں یہ ملک کے شہری نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنا کام پورا کر کے پھر واپس چلے جاتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ جو معاہدہ کیا جاتا ہے اس کو عقد امان سے تعبیر کیا جاتا ہے - یہ وقتی معاہدہ ہوتا ہے[۲۹] -

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے - اس میں مسلمانوں کے حقوق و فرائض کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے حقوق و فرائض کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے - اس لیے ان سے متعلق احکام بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں - یہاں اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے -

اسلامی حکومت میں جہاں اہل کتاب ذمیوں کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں اسی طرح فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مجوسی اور امام مالکؒ کے نزدیک مشرک اور بت پرست وغیرہ بھی ذمیؔ کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف راوی ہیں - (اشہد لسمعت رسول اللہ ﷺ یقول سنوٰبہم سنة اہل الکتاب "[۳۰]، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے ، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو- یہ لوگ اپنے نفس ، عزت ، مال و دولت کی حفاظت کے بدلے جزیہ ادا کریں گے اور اسلام میں ان کے لیے جو حقوق ہیں اور ان پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں گے -

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق و فرائض :

رسول کریم ﷺ نے فرمایا " خبردار ، جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث ہوں گا " -

ذیل میں اختصار کے ساتھ غیر مسلموں کے حقوق و فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔

حقوق :

۱۔ مسلمانوں کی طرح غیر مسلم بھی اسلامی ملک میں دائمی سکونت اختیار کر سکتے ہیں، اور ملک کے اندر گھوم پھر سکتے ہیں البتہ حجاز مقدس یعنی جزیرہ عربیہ کے متعلق فقہاء کا اختلاف رہا ہے - رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے " اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب " (۳۱) کہ مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکالو" - اس طرح آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عرب میں دو دین یک جا نہیں ہو سکتے - موسوعہ فقہیہ میں ہے " جزیرة العرب لا یمکن غیر المسلم من الاستیطان فیہا وھذا محل اتفاق بین الفقہاء " کوئی غیر مسلم جزیرہ عرب کو اپنا دائمی مسکن نہیں بنا سکتا - اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے(۳۲)-

۲۔ اسلامی حکومت پر ان غیر مسلموں کی جان و مال ، عزت و آبرو کی حفاظت واجب ہے کوئی مسلم یا غیر مسلم یا حربی ان کو تکلیف نہیں پہنچائے گا اور اگر کسی نے یہ کوشش کی تو مطابق شریعت اس کو سزا دی جائے گی -

۳۔ غیر مسلموں کو ان کے اپنے دین پر رہنے کی اجازت ہوگی اور کسی کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ ان سے تعرض کرے یا ان کی عبادت گاہوں اور ان کے دیگر دینی شعائر کی ادائیگی میں رکاوٹ بنے -

۴۔ ذمیوں کو اپنی املاک پر مالکانہ تصرفات حاصل ہوں گے اور ان کی ملکیت ورثا کو منتقل ہوگی(۳۳) -

غیر مسلموں کے فرائض :

اگر ایک طرف حقوق ہوتے ہیں تو دوسری طرف اس کے بدلے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں - اس لیے اسلامی حکومت کے اندر رہنے والے غیر مسلموں پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں - مختصراً یہ فرائض درج ذیل ہیں :

مالی فرائض :

۱- قرآنی تعلیمات کے مطابق اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلموں پر ان کے حقوق کے بدلے کچھ مالی فرائض بھی عائد ہوتے ہیں - وہ یہ ہیں کہ ہر سال وہ امان کے بدلے جزیہ دیں گے جس کی تقرری وقت کی مناسبت سے حاکم کرے گا اور اس میں غریب، مالدار، بوڑھے، بچے، آزاد، غلام، عورتوں اور مریضوں کے فرق مراتب کا لحاظ رکھا جائے گا [۳۴]-

۲- ان کی زمینوں کی آمدنی سے خراج وصول کیا جائے گا اور اس کی مقدار زمین کی مقدار کی نسبت سے ہوگی [۳۵]-

۳- وہ لوگ جو عقد امان کے تحت دارالسلام میں داخل ہوتے ہیں ان کے ساتھ اسی طرح معاملہ کیا جائے گا جس طرح کا معاملہ وہ ان مسلمانوں سے کرتے ہیں جو ان کے ملکوں میں جاتے ہیں -

۴- اس کے علاوہ اسلامی حکومت کا سربراہ وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق ٹیکس بھی عائد کر سکتا ہے -

غیر مالی فرائض :

مالی فرائض کے علاوہ غیر مسلموں پر اسلامی حکومت کے درج ذیل حقوق ہوتے ہیں :

۱- غیر مسلم باشندے مسلمانوں کے ساتھ جنگ و قتال نہیں کریں گے - ن کے باہمی تنازعات کا فیصلہ قانون کے مطابق کیا جائے گا -

۲- غیر مسلم اپنے آپ کو اس بات کا پابند کریں گے کہ جس چیز سے مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہو اس سے باز رہیں گے - دینی لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ، انبیائے کرام اور خصوصاً خاتم النبین محمد ﷺ پر لعن طعن نہیں کریں گے - دین اسلام کی مذمت اور مسلمانوں کے

اندر فتنہ و فساد نہیں پھیلائیں گے اور اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرتا ہے تو اسے اسلام قبول کرنے سے نہیں روکیں گے ۔

۳۔ شریعت اسلامی نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے غیر مسلم باشندوں پر یہ فرض ہے کہ ان کے دین میں اس کی اجازت ہونے کے باوجود کھلم کھلا اس کا اظہار نہیں کریں گے۔ اس کو اپنی دینی ضرورت کی حد تک اپنے پاس رکھیں گے ۔ مثلاً صلیب، کنیسہ، بیعہ وغیرہ، محارم سے نکاح ، اور منسوخ کتابوں کی کھلم کھلا تلاوت نہیں کریں گے ۔ خمر و خنزیر وغیرہ کا کھلے عام استعمال نہیں کریں گے (۳۶) ۔

۴۔ حاکم وقت ان پر ضرورت کے مطابق جو شرائط نافذ کریں گے غیر مسلم باشندوں پر ان کی پاسداری کرنا فرض ہوگی اور مخالفت مستوجب سزا ہوگی۔

۵۔ غیر مسلم باشندوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی فتنہ برپا نہیں کریں گے ۔ ان کے خلاف دشمنوں کے لیے جاسوسی نہیں کریں گے ۔ کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا نہیں کریں گے خواہ وہ اس کو نکاح کا نام ہی کیوں نہ دیں اور یہ لوگ ہر اس کام سے باز رہیں گے جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہو ۔

۶۔ اہل ذمہ کوئی نئی عبادت گاہ یعنی کنیسہ ، صومعہ ، یا مجوس کا بیت نار اسلامی ملک میں نہیں بنائیں گے ۔ کسی مسلمان کو کسی قسم کا لائسنس نہیں دیا جائے گا کہ وہ ان ذمیوں کے لیے کوئی ایسی چیز مہیا کرے جو شریعت اسلامی میں حرام ہو مثلاً خنزیر یا شراب وغیرہ ۔ صرف غیر مسلم قوانین کے مطابق اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یہ لائسنس حاصل کر سکتا ہے ۔

اسلامی حکومت میں رہائش پذیر غیر مسلم باشندوں کے یہ چیدہ چیدہ حقوق و فرائض تھے جن کا مختصراً ذکر کیا گیا ، تفصیل فقہ کی کتابوں اور خصوصاً ابن قیم الجوزیہ کی " احکام اہل الذمہ " اور ڈاکٹر سیّد محمد احمد عامر کی پی ایچ ڈی کا مقالہ " عقد الذمۃ " ملاحظہ ہو ۔

مالاکنڈ ڈویژن کی دو ریاستوں یعنی سوات اور چترال میں غیر مسلم موجود ہیں - چترال کی وادی کالاش جسے کافرستان بھی کہا جاتا ہے میں کالاش قوم آباد ہے - ان کے خاص عقائد و عبادات ہیں اور زندگی گزارنے کے مخصوص ضابطے ہیں - بنیادی طور پر یہ لوگ غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں - تعلیم کی طرف رجحان بہت کم ہے[(۳۷)] -

ریاست سوات میں بھی ہندوؤں اور مسیحیوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے - اسلامی سٹیٹ میں یہ لوگ عقد ذمہ کے تحت ذمیوں کی حیثیت سے رہیں گے -

اس کے علاوہ اگر کوئی غیر مسلم کسی دوسرے ملک کا باشندہ بطور Visitor یا بطور DIPLOMAT آتا ہے تو وہ معاہد کی حیثیت سے آتا ہے - شریعت اسلامی کے احکام کے مطابق اس کا احترام کیا جائے گا[(۳۸)] -

غیر مسلموں کے شخصی قوانین :

جہاں تک ان لوگوں کے شخصی قوانین کا تعلق ہے ان کے فاسد نکاح شرعی ضوابط کے تحت برقرار رہ سکتے ہیں - وہ ضوابط درج ذیل ہیں : -

۱- غیر مسلم / ذمی ان فاسد نکاحوں کا معاملہ اسلامی عدالت میں پیش نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو صرف ان نکاحوں کو برقرار رکھا جا سکتا ہے ، جن کی شریعت اسلامی میں اجازت ہو -

۲- صرف وہ نکاح جائز ہوں گے جن کی اجازت ان کے اپنے دین نے دی ہو اگر ان کے دین میں کوئی نکاح حرام ہو تو ہم بھی اس نکاح کو اس پر حرام قرار دیں گے -

۳- جہاں تک مجوسیوں کا ان کے اپنے محارم کے ساتھ نکاح کا تعلق ہے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف رہا ہے - ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق واقع نہیں کی جائے گی ، کیونکہ رسول کریم ﷺ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا اور ان کے نکاحوں کو برقرار رکھا تھا - اس کے باوجود کہ آپ ﷺ کو یہ علم تھا کہ وہ محارم کے

ساتھ نکاح کرتے ہیں -

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے نکاحوں سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا- اسی طرح یہود کے وہ نکاح جو وہ اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں سے کرتے تھے کوئی تعرض نہیں فرمایا[۳۹] -

البتہ عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ " ان فرقوابین کل ذی رحم من المجوس " (کہ مجوسیوں کا ان کے محارم کے ساتھ ہونے والے نکاح کے درمیان علیحدگی کرا دو)[۴۰]-

رسول کریم ﷺ کا ابتداء اسلام میں مجوسیوں کو ان کے محارم کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھنے میں شاید یہ مصلحت تھی کہ اس وقت اسلام کو اتنی وسعت حاصل نہ ہوئی تھی اور ملک فارس اور اس کی حمایتی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ان غیر مسلموں کے زیر نگیں تھیں - جب عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ ساری ریاستیں اسلامی حکومت کا حصہ بنیں تو آپؓ نے ان کے ان باطل نکاحوں کو برقرار رکھنے میں اسلام کی مضرت سمجھ کر ان میں تفریق کرانے کا حکم صادر فرمایا - کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بدترین قسم کی برائی ہے کہ ایک آدمی اپنی ماں ، بہن ، بیٹی وغیرہ سے نکاح کرے[۴۱]-

۴- غیر مسلموں کو اسلامی ملک میں رہنے کے لیے سود کھانے ، زنا، لواطت کرنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ اس سے دوسروں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں -

مختصر یہ کہ جمہور فقہاء مذاہب ، شافعی ، مالکی اور حنبلی کی رائے یہ ہے کہ اہل ذمہ کے آپس کے معاملات ، جنگ ، جھگڑوں اور سزاؤں پر ہم اس وقت تک تعرض نہیں کریں گے جب تک کہ وہ اپنے مقدمات کو ہمارے پاس نہیں لائیں گے - لیکن اگر اس میں کسی مسلمان کا حق متاثر ہو تو فیصلہ اسلامی احکام کے مطابق دینا واجب ہو جائے گا کیوں کہ اسلام ہی کو تمام دوسرے مذاہب پر برتری حاصل ہے - فرمان رسول مقبولؐ ہے " الاسلام یعلوولایعلی" اسلام ہی اعلیٰ ہے کوئی اور چیز اس پر غالب نہیں ہو سکتی[۴۲]-

اسلامی حکومت کو چاہیئے کہ مالاکنڈ ڈویژن میں رہنے والے غیر مسلموں کے لیے ان کے شخصی قوانین سے متعلق ایسی قانون سازی کرے جو مندرجہ بالا قواعد و ضوابط کے تحت اسلامی خطوط پر مرتب ہو اور جہاں ان کے شخصی قوانین اور اسلام کے عطا کردہ حقوق شخصی میں تعارض ہو وہاں شرعی احکام کو ترجیح دی جائے -

حاصل بحث اور تجاویز :

۱- پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے - یہاں اسلامی نظام کے نفاذ کا نعرہ پاکستانیوں کا قانونی اور شرعی حق ہے اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ اسلامی نظام نافذ کریں-

۲- بحیثیت مجموعی اسلامی نظام ایک درخت کی حیثیت رکھتا ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں- ان میں سے ایک بنیادی شاخ نظام قضاء ہے -

۳- اسلامی نظام قضاء کو چلانے کے لیے ایسے قاضیوں کی ضرورت ہے جو اس نظام کو سمجھتے ہوں پھر اس کو بااحسن طریق چلا سکتے ہوں یعنی اسلامی قانون کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں قضاء کی دوسری شروط بھی پوری ہوں یا ضرورت کی صورت میں بقدر امکان موجود ہوں -

۴- اسلامی نظام قضاء کو سادہ اور آسان بنانا چاہیئے تاکہ کمزور سے کمزور ترین شخص کو فوری اور سستا انصاف میسر ہو - ضابطہ دیوانی اور فوجداری کے فرسودہ طریقہ کار کو ختم کیا جائے - اس سلسلے میں سعودی عرب کے نظام قضاء سے استفادہ کیا جا سکتا ہے - جس میں تقریباً ہر قسم کے دعویٰ /استغاثہ میں اپیل سمیت زیادہ سے زیادہ تین ماہ صرف ہوتے ہیں تقریباً ۲۰ دن ابتدائی سماعت کی عدالت جسے محکمہ عامہ کہا جاتا ہے- پھر اگر کوئی فریق مطمئن نہ ہو تو اپنے اعتراض کو ابتدائی سماعت کے محکمہ میں یا محکمہ تمیز میں پیش کرے گا - محکمہ عامہ حکم صادر کرنے کے بعد پورا ریکارڈ محکمہ تمیز میں بھیجے گی اور محکمہ تمیز بیس دن کے اندر اندر حکم سنائے گا - اگر کوئی فریق اس پر اعتراض کرے تو وہ مجلس قضاء اعلیٰ میں جائے گا جو ایک مہینے کے اندر اندر فیصلہ سنائے گی(۴۳)-

لہذا اپیل در اپیل کا لا متناہی سلسلہ ختم کرنے کے لیے عدلیہ کو مندرجہ ذیل شعبوں میں تقسیم کیا جائے -

۱- شعبہ ایوان انصاف

۲- شعبہ قضاء

۳- شعبہ توثیق عدل

۴- عدالت عالیہ شرعیہ

۱- **شعبہ ایوان انصاف** : تھانوں کے نظام کو شعبہ ایوان انصاف میں تبدیل کر کے اس شعبہ کے قاضی کو تفتیش جرائم اور استغاثہ کے فرائض سونپ دیئے جائیں اور یہ شعبہ ہر وقت کھلا رہنا چاہیئے اور تمام شہادتیں جائے وقوعہ پر اہل محلہ کی موجودگی میں قاضی یا اس کے نائب کی نگرانی میں ریکارڈ کی جائیں - پھر قاضی شعبہ ایوان انصاف اسے شعبہ قضاء میں دائر کرے گا- جو مقدمہ کا فیصلہ کرے گا -

۲- **شعبہ قضاء** : شعبہ قضاء میں ایوان انصاف و استغاثہ کے دائر کردہ مقدمات پر بعجلت ممکنہ فیصلہ صادر کیا جائے گا - سماعت کی زیادہ سے زیادہ میعاد ۳۰ دن ہونی چاہیئے - ضرورت کی صورت میں عدالت عالیہ سے اجازت حاصل کر کے اس میعاد کو دو مہینے تک بڑھانے کے لیے قانون میں گنجائش رکھی جائے -

۳- **شعبہ توثیق عدل** : مقدمات اور اپیلوں کے لامتناہی سلسلہ کی حوصلہ شکنی کے لیے مقدمات کے فیصلوں کے جائزہ اور نگرانی کا خود کار نظام Suo Moto ہونا چاہیئے - اس سلسلے میں درج ذیل طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے -

☆ ہر مقدمہ کے فیصلے کی نقل بلاتاخیر قاضی "شعبہ توثیق عدل" کے ضلعی دفتر کو بھیجی جائے گی - جہاں مقدمہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا اور ترمیم یا توثیق جیسی بھی صورت ہو کی جائے گی - ایک نقل فیصلہ کرنے والی ماتحت عدالت کو اور دوسری عدالت عالیہ کے شعبہ توثیق عدل کو ارسال کی جائے گی -

☆ اگر بوقت توثیق واضح بے انصافی ظاہر ہو جائے تو سماعت کرنے والی عدالت سے جواب طلبی کی جائے گی - شعبہ توثیق عدل کو تیس دن کے اندر اندر اپنی تمام کارروائی مکمل کرنے کے لیے پابند کرنا چاہیئے -

۴- **عدالت عالیہ شرعیہ :** عدالت عالیہ میں اپیل دائر کی جا سکے گی- جس کا حکم حتمی تصور کیا جائے گا اور اس کی میعاد سماعت کا تعین ہونا چاہیئے -

۵- اسلامی فقہ کو جدید طرز پر قانونی شکل میں ماہر علمائے کرام اور ماہرین قانون کی نگرانی میں مدون کیا جائے جیسا کہ خلافت عثمانیہ میں مجلۃ الاحکام العدلیہ حنفی مذہب کے مطابق مدون ہوا تھا - اس طرح مصر ، عراق ، تونس ، مراکش وغیرہ میں فقہ مدون شکل میں موجود ہے - یہ بات یاد رہے کہ یہ قوانین کسی خاص مذہب کے مرہون منت نہ تھے بلکہ چاروں مذاہب سے لیے گئے تھے [۴۴]- اس کام کے سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کو زیادہ فعال بنایا جائے - اس کی سفارشات کو قانونی شکل دی جائے ساتھ ہی وفاقی شرعی عدالت کو مرکزی حیثیت دی جائے اور اس کے دائرہ اختیار میں تمام قوانین کی جانچ پڑتال کو شامل کیا جائے -

۶- قانون کی تعبیر و تشریح کے سلسلے میں قاضیوں کے صوابدیدی اختیارات حتی الامکان کم کیے جائیں - اگر قانون میں کہیں ابہام ہو جس کے متعلق فقہاء کے بہت سے اقوال ہوں تو اس اختلافی صورت میں قاضی کے لیے کیا حکم ہوگا - لہذا ضروری ہے کہ ان کے لیے ایک ایسا ضابطہ مرتب کیا جائے جو ان کے لیے اختلاف فقہاء کی صورت میں رہنمائی کا باعث ہو - ساتھ ہی وہ احکام کی ناجائز پیوندکاری سے بھی بچ سکے -

مدون ہدایات کی ضرورت کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت بہرحال وہ قاضی نایاب ہیں جو حقیقت میں مجتہد کہلائیں۔ اگر اس قسم کا ضابطہ مرتب نہ کیا جائے تو قاضی اپنے صولبدید پر بغیر علم کے کسی مرجوح رائے کو اختیار کر کے گمراہی میں جا گرے گا اور اس کے فیصلے اس کی ذاتی خواہشات پر مبنی فیصلے قرار پائیں گے، شرعی فیصلے قرار نہیں پائیں گے۔

۷- قاضیوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے جدید طرز پر ادارے قائم کیے جائیں - اس وقت شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی یہ کام سرانجام دے رہی ہے لیکن ان کی طرف سے متعین کردہ نصاب اور وقت ناکافی ہے - اس پر نظرثانی کی ضرورت ہے -

۸- وکلاء حضرات کے لیے بھی ایک ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے - انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا جائے تاکہ وہ اپنی فنی مہارت سے کسی حقدار کو اس کے حق سے محروم کرنے سے مجتنب رہیں۔

۹- جہاں تک مالاکنڈ ڈویژن اور ضلع کوہستان میں شریعت کے نفاذ، نفاذ شریعت ریگولیشن ۱۹۹۴ء اور نفاذ شریعت قواعد کا تعلق ہے، اس کی اصلاح کے لیے درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں -

الف : اسلامی نظام قضاء کے نفاذ میں یہ ریگولیشن ناکافی ہے - قاضیوں کی تعیناتی اور ان کے لیے ہدایات کے سلسلے میں یہ نہایت مبہم ہے -نظام عدل قواعد کے قاعدہ نمبر۳ ذیلی قاعدہ نمبر۲ میں قاضی کی تعیناتی کے لیے جو معیار مقرر کیا گیا ہے یہ بالکل ناکافی، غیر اطمینان بخش ہے - اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے نام پر انگریز کا مسلط کردہ قانون نافذ کرنا مقصود ہے - اس طرح اس قاعدہ کے ذیلی قاعدہ نمبر۴ میں قاضی کو اسلامی احکام کے مطابق اچھے اخلاق اور اچھی صفات کا مظاہرہ کرنے اور اپنے آپ میں ایجابی اور سلبی صفات جس کی فقہائے کرام نے وضاحت کی ہے پیدا کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے کہا گیا ہے -

شرط کا مشروط سے پہلے موجود ہونا ضروری ہے - اگر کسی قاضی میں ایجابی اور سلبی صفات موجود نہ ہوں تو اس کو قاضی مقرر نہیں کرنا چاہیئے - اس نظام عدل قواعد کے

ذیلی قاعدہ نمبر ۵ میں " قاضی کے لیے شروط " کے عنوان سے اسے ہدایت کی گئی ہے کہ وہ قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح کرے - اس ریگولیشن میں شرط اور ہدایات میں فرق نہیں کیا گیا ہے -

قانون سازی ایک اجتہادی امر ہے اس لیے اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے کسی ریگولیشن یا قواعد کی تیاری مجتہد علمائے کرام اور قانونی ماہرین کے ذریعے کی جائے اور اس قسم کی غلطیوں کا ازالہ کیا جائے - علمائے کرام اور قانونی ماہرین تمام حالات کو مدنظر رکھ کر قانون سازی کریں تاکہ شریعت اسلامی عام لوگوں کی نظر میں تمسخر کا سبب نہ بنے - جہاں تک قانون پر عمل درآمد کا تعلق ہے حکومت پر یہ فرض ہے کہ مذکورہ صفات سے متصف افراد کو ہی منصب قضاء سپرد کرے۔

ب : اسلام میں معاون قاضی کا تصور موجود ہے - بوقت ضرورت معاون قاضی بحیثیت کل وقتی معاون قاضی یا مطابق ضرورت جز وقتی معاون قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے -

ج : اسلامی نظام قضاء میں اپیل کا حق دیا جاتا ہے - اس لیے ضروری ہے کہ قاضی عدالتوں کے خلاف اپیلیں بھی ایسے قاضی سنیں گے جو اسلامی نظام قضاء سے واقف ہوں - عوام کی خواہش ہے کہ ان عدالتوں کے خلاف اپیلیں وفاقی شرعی عدالت میں سنی جائیں - ان کا یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے اور حکومت کو چاہیئے کہ مالاکنڈ ڈویژن کے عوام کی خواہش کے مطابق وفاقی شرعی عدالت کو ہر قسم کی اپیل سننے کا اختیار دیا جائے -

د : اسلامی احکام کے مطابق غیر مسلم باشندوں کے لیے ایسا قانون مدون کیا جائے جس میں ایک طرف ان کے حقوق و فرائض اور ان کے آپس کے معاملات اور مناکحات کی تفصیلی ضرورت پوری ہو جبکہ دوسری طرف احکامات شرعیہ کی خلاف ورزی نہ ہو-

ہ : حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ قاضیوں اور عمال کا محاسبہ کرے - لہذا وقتاً فوقتاً یا خفیہ ذرائع سے یا کھلی کچہری کی صورت میں قاضیوں اور عام عمال کار کا محاسبہ کیا جائے اور اگر کسی کے خلاف کوئی الزام ثابت ہو جائے تو قانون کے مطابق کارروائی کی جائے-

حوالہ جات

۱- Saiyid M.Ahmad. Federation of Pakistan, Educational Book Department Hyderabad. p 146-147

۲- Justice(Rtd)Masud Ahmad. Pakistan: A study of its constitutional History, Research Society of Pakistan Lahore.1978.p42

۳- دستور پاکستان حصہ نمبر ۷

۴- Ordinance 1 of 1988 Enforcement of Shariah Ordinance 1988

۵- PID 1992 F.S.C 445

۶- ۱۹۹۶ء میں ریاست دیر دو ضلعوں، ضلع دیر بالا اور ضلع دیر پائین میں تقسیم ہو چکا ہے-

۷- ریاست سوات اب تین ضلعوں ، ضلع سوات ، ضلع بونیر اور ضلع شانگلہ میں تقسیم ہو چکاہے-

۸- Government of N.W.F.P. V. Muhammad Irshad PLD 1995 SC:293

۹- اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب طبع اول ۹/ ۵۲۳

۱۰- روزنامہ جنگ راولپنڈی - ۱۷/۱۱/۹۴

۱۱- تفصیل کے لیے The provincially Administered Tribal Areas Criminal Law(Special Provisions) Regulation1975. کی دفعات ۳ تا ۵ ملاحظہ ہوں

۱۲- PLD 1995 SC:294

۱۳- PLD 1995 SC: 305-306

۱۴- Public Notice No.13 p.56 Federal Shariat Court Islamabad.

۱۵- روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۲ نومبر ۱۹۹۴ء

۱۶- روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۲ نومبر ۱۹۹۴ء

۱۷- روزنامہ جنگ راولپنڈی ۴ نومبر ۱۹۹۴ء

۱۸- روزنامہ جنگ راولپنڈی ۶ نومبر ۱۹۹۴ء

۱۹- تفصیل کے لیے اس ریگولیشن کی جدول دوم اور چہارم ملاحظہ ہو -

۲۰- مفتی سید محمد عمیم الاحسان مجددی ، قواعد الفقہ ، طبع الصدف پبلشرز ، کراچی - ص ۳۳۶

۲۱- ڈاکٹر محمد عبدالقادر ابو فارس - القضاء فی الاسلام ص ۴۳ ، ۴۴ ط ۱۹۸۴ مطبعہ دارالفرقان عمان اردن

۲۲- بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) جلد ۷ ص ۲۷

۲۳- بحوالہ فکر و نظر جولائی ستمبر ۱۹۹۶ ء - ادارہ تحقیقات اسلامی ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۲۴- جمال الدین الاسنوی المتوفی ۷۷۲ - نہایة السول فی شرح منہاج الاصول الی علم الاصول للقاضی البیضاوی جلد ۳ ص ۱۹۰ ، ۱۹۱، مطبعہ التوفیق الادبیہ مصر

۲۵- مولانا خرم علی و مولانا احسن صدیقی ، غایہ الاوطار شرح در مختار (اردو) مطبع ایجوکیشنل پریس کراچی طبع ۱۳۹۸ھ جلد ۱ صفحہ ۴۳

۲۶- الامام ابوبکر احمد بن عمر الخصاف متوفی ۲۶۱ھ شرح ادب القاضی اردو ترجمہ سعید احمد جلد ۱ ، ص۱۰۲ - ۱۰۴ ، ادارہ تحقیقات اسلامی ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ، اسلام آباد -

۲۷- علاء الدین المتقی بن حسام الدین الہندی متوفی ۹۷۵ھ کنز العمال موسسۃ الرسالہ ط خامسہ ۱۴۰۵/۱۹۸۵ حدیث نمبر ۲۹۰۱۹

۲۸- ڈاکٹر وھبہ الزحیلی ، الفقہ الاسلامی و ادلتہ جلد ۶ ص ۴۴۲ ط ثانیہ ۱۹۸۵ ء / ۱۴۰۵ ھ مطبعہ دارالفکر دمشق

۲۹- محمد مطیع الرحمن ، العلاقات الدبلوماسیة الدولیة علی ضوء احکام الشریعة الاسلامیة ص ۱۱۲ و ص۱۹۶ مقالہ برائے ایل ایل ایم ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد -

۳۰- کنز العمال ، حدیث نمبر ۱۴۳۰۴

۳۱- بخاری ، الصحیح ، باب اخراج الیہود من جزیرة العرب جلد ۴ ، ص ۶۶

۳۲- موسوعہ فقہیہ ۲۰۴/۲۰

۳۳- ڈاکٹر سید محمد احمد عامر " عقد الذمہ " مقالہ برائے پی ایچ ڈی ، جامعہ ازہر مصر ، ص ۱۵۱

۳۴- شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ ، احکام اھل الذمہ ، تحقیق دکتور صبحی صالحہ طبعة ثانیہ ۱۴۰۱/۱۹۸۱ مطبعہ دارالعلم للملائین بیروت ، جلد ۱ ، ص ۲۲

۳۵- ابن قیم ، احکام اہل الذمہ ۱۰۰/۱

۳۶- عقد الذمہ ۴۲۳

۳۷- ظہیر الدین بہرام " الدیانة الکلاشیہ " مقالہ برائے ایم - اے (اصول الدین) بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو -

۳۸- العلاقات الدبلوماسية الدولية علی ضوء احکام الشريعة الاسلامية ۔ تفصيل کے ليے ملاحظہ ہو -

۳۹- احکام اہل الذمہ ۱/۳۹۳

۴۰- بخاری ، ا صحیح ، باب الجزيه والمواد عه مع اہل الذمه

۴۱- احکام اہل الذمہ ۱/۱۶۵

۴۲- بخاری ، کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی - ۲/۲۴۴

۴۳ Justice (Rtd) Gul Mohammad. Articles: The Prompt Justice in Saudi Arabia p.13 Federal Shariat Court Islamabad.

۴۴ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان - المدخل لدراسة الشريعة الاسلامية ص ۱۵۳ ، ۱۵۴